ایک حرف - اور - ایک تاریخ

آیۃ اللہ علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری صاحب قبلہ

ایک حرف

اگر سطحی نگاہ سے دیکھا جائے تو واقعۂ کربلا صرف ایک حرف ہے! ۵۴ھ و ۵۵ھ و ۵۹ھ میں امیر معاویہ نے انتہائی کوشش کی کہ یزید کو اپنے بعد کے لئے ولی عہد مقرر کر جائیں۔ ۶۰ھ میں امیر معاویہ کا انتقال ہوگیا۔ اور یزید نے مدینہ میں اپنے گورنر کو لکھا کہ حسین ابن علی سے میری بیعت لے لو یا ان کا سر بھیج دو۔ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اور ۲۸؍رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ آگئے۔ وہاں یزید کے جاسوس حج کے موقع پر حضرت کو حرم خدا میں قتل کرنے کے لئے مقرر ہوئے حضرت کو اس کی اطلاع ملی۔ انھیں ایام میں کوفہ سے ۱۲؍ہزار خطوط آپ کو ملے کہ آپ کوفہ میں آکر ہماری اصلاح کیجئے۔ ۸؍ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت نے مکہ سے کوفہ کے لئے سفر کیا، راستہ میں حُر کا لشکر ابن زیاد کے حکم سے حضرت کو کوفہ کے بجائے ''کربلا'' میں گھیر کر لایا۔

۳؍محرم ۶۱ھ کو حضرت مع عزیز و انصار، کربلا پہنچے۔ ۷؍محرم سے پانی بند ہوا ۱۰؍محرم کو حضرت کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۶ سال ایک ماہ اور چند دن تھی۔ قتل کے بعد آپ کے حرم کو لوٹا گیا خیموں میں آگ لگائی گئی، انھیں اسیر کر کے کوفہ و شام میں تشہیر کے بعد دربار یزید میں پیش کیا گیا۔ جہاں اس نے اسلام و حسین و اہلبیتؑ کے خلاف ملحدانہ گفتگو کی۔ پھر شام کے قید خانہ میں مقید کیا گیا۔ پھر جب واقعات شہادت سے عوام بیدار ہوئے اور یزید کے خلاف فضا تیار ہونے لگی۔ تو اسیروں کی رہائی کا حکم دیا۔

ایک تاریخ

واقعہ کربلا سطحی نگاہ سے ایک حرف تھا۔ شیخ مفید، طبری، ابن قتیبہ، ابوحنیفہ دینوری، ابن اثیر، ابن طقطقی، مسعودی، ابن خلدون، ابن کثیر جلال الدین سیوطی، ابوالفداء وغیرہ نے دنیا کے دوسرے اہم واقعات کی طرح اس کے لئے بھی اپنی تاریخوں اور تصنیفوں کے چند صفحے وقف کئے ہیں لیکن گہری نظر سے یہ واقعہ ایک طویل و عظیم تاریخ کا آخری باب ہے۔

تحفۃ الزائر (ص ۲۲۲) میں علامہ مجلسی نے وہ زیارت لکھی ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے مفصل ابن عمر کو تعلیم دی تھی اس کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا اگر سرسری نظر میں ایک حرف ہے تو اہل بینش و دانش کی نظر میں وہ ایک بے پایاں دفتر ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا وَارِثَ اٰدَمَ صَفْوَۃِ اللّٰہِ۔

اے صفی اللہ آدمؑ کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَارِثَ نُوْحٍ نَبِیِّ اللّٰہِ۔

اے نبی خدا نوحؑ کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَارِثَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلِ اللّٰہِ۔

اے خلیل خدا ابراہیمؑ کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَارِثَ مُوْسٰی کَلِیْمِ اللّٰہِ۔

اے موسیٰ کلیم اللہ کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَارِثَ عِیْسٰی رُوْحِ اللّٰہِ۔

اے روح اللہ عیسیٰؑ کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَارِثَ عَلِیٍّ وَصِیِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

اے وصیِ رسول، علی کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَارِثَ الْحَسَنِ الرَّضِیِّ۔

اے حسن کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا وَارِثَ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

اے دختر رسول جناب بتول کے وارث آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا الشَّھِیْدُ الصِّدِّیْقُ

اے شہید صدیق آپ پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا الْوَصِیُّ الْبَارُّ التَّقِیُّ

اَلسَّلَامُ عَلَی الْاَرْوَاحِ الَّتِی حَلَّتْ بِفِنَائِکَ، وَاَنَاخَتْ بِرَحْلِکَ اَلسَّلَامُ عَلَی الْمَلَائِکَۃِ الْمُحْدِقِیْنَ بِکَ۔

اے وصی پرہیزگار آپ پر سلام۔ ان روحوں پر سلام جو آپ کی بارگاہ میں قیام پذیر ہوئیں۔ ان فرشتوں پر سلام جو آپ کی درگاہ پر ہجوم کئے ہوئے ہیں۔

اَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ، وَاٰتَیْتَ الزَّکٰوۃَ۔ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ، وَعَبَدْتَ اللّٰہَ مُخْلِصاً۔ حَتّٰی اَتَاکَ الْیَقِیْنُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی۔ زکوٰۃ ادا کی، معروف کا حکم دیا۔ منکر سے روکا۔ اور زندگی کی آخری سانس تک مخلصانہ عبادت کی۔

آپ پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت۔

اس زیارت میں امام جعفر صادقؑ نے امام حسینؑ کو حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰ و عیسیٰ اور جناب محمد مصطفیٰؐ وعلیِ مرتضیٰؑ و فاطمہ زہراءؑ و حسن مجتبیٰؑ کا وارث فرمایا، یعنی ابتداء آفرینش سے ہدایت کی جو کتاب زیر ترتیب تھی اور جس کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوا۔ امام حسینؑ اس کا آخری باب تھے، زیارت میں جن انبیاء و رسل وائمہ و صالحین کا وارث امام حسینؑ کو قرار دیا گیا ہے وہ انسانی رہنمائی کی تاریخ کے نہایت ناموراشخاص ہیں............ اور ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے طریقوں کے موجد ہیں اور رضائے الٰہی اور ثبات قدم و جرأت و ہمت میں فرد فرید ہیں۔

ان کے ذریعہ سے معرفت الٰہی اور اصلاح خلق کے بڑے مشکل مسائل حل ہوئے۔ امام حسینؑ ان مقدس اسلاف کے اعلیٰ صفات کے امین و وارث و محافظ تھے۔

انسان کو آفرینش ہی میں ایک دردناک سانحہ پیش آ گیا۔ دنیا میں غم کا یہ پہلا نقش تھا جو ذہن انسانی پر مرتسم ہوا اس غم کے اثرات بہت دوررس ہو سکتے تھے جب کہ قابیل

نے بے قصور حضرت ہابیل کو قتل کر دیا۔لیکن حضرت آدمؑ نے صبر و برداشت کی مثال قائم کردی۔ اور رضائے الٰہی کے سامنے سربہ سجود رہے۔

حضرت نوحؑ نے بڑی لمبی زندگی پائی۔اولادِ آدم اس وقت سیدھے راستے سے بھٹک چکی تھی۔امیر و غریب کا فرق قائم ہوگیا تھا مساوات انسانی کا تصور دھندلا پڑ گیا تھا خدا شناسی کے بجائے ماسوا اللہ کی پرستش ہورہی تھی۔آپ نے پیغمبرانہ عزم و ہمت سے اصلاح و ترقی کے لئے کوشش کی کردار کی بلندی کا تصور اور انسانی مساوات کی تبلیغ دولت مند اور بااثر طبقہ کے مفاد سے متصادم تھی اہل ثروت آپ کے مخالف ہوگئے۔ان کی فرمائش تھی کہ غریبوں کو اپنی بزم میں جگہ نہ دیجئے۔حضرت نوح نے ان کے فرسودہ کرم خوردہ نظام زندگی پر کڑی تنقیدیں کیں اور سرمایہ دار طبقہ کی اور گمراہ جمہور کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ان اصلاحات پر شدت سے اصرار کیا جس میں بشری فلاح مضمر تھی۔

جب حضرت ابراہیم کا عہد آیا تو دنیا ایک ایسے پیغمبر سے واقف ہوئی جس نے رضائے الٰہی میں وہ دلسوزی دکھائی عشق مجازی میں جس کی مثال مفقود ہے۔

حضرت ابراہیم نے اپنے عہد کی سب سے بڑی گمراہ طاقت سے ٹکر لی۔ یہ مخالفت صرف لفظی و کلامی نہ تھی۔ بلکہ آپ نے نمرود ایسے ''جبار'' بادشاہ کے سر پُرغرور پر ٹھوکر لگائی جب کہ وہ اپنی خدائی کا مدعی تھا۔اور غرض مند یا کم فہم اسے خدا تسلیم کررہے تھے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے تمام خطروں کو سامنے رکھتے ہوئے نمرود کو اس کا حقیقی مقام بتایا۔ تبلیغ و دعوت کے نئے نئے طریقے حضرت ابراہیم نے پیش کئے۔قرآن مجید نے جسے الہام ربانی سے تعبیر کیا۔

وتلک حُجَّتُنَا اٰتَیۡنَا اِبراھِیمَ عَلٰی قَوۡمِہٖ۔

اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل کی قربانی کے لئے آپ کی آمادگی رضا و تسلیم و عبدیت کا شاہکار ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی شخصیت کل صف انبیاء ومرسلین میں ایک نمایاں امتیاز رکھتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی طرح حضرت موسیٰؑ کو بھی اپنے وقت کی سب سے بڑی مادی اقتدار اعلیٰ سے مقابلہ کرنا پڑا فرعون مصر کہتا تھا:

''یَا اَیُّھَا الۡمَلَاءُ مَا عَلِمۡتُ لَکُمۡ مِنۡ اِلٰہٍ غَیۡرِیۡ''

''مجھے تو نہیں معلوم کہ میرے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا ہے۔''

سرمایہ دارانہ ذہنیت نے عوام کی فکر آزادی و اصلاح کو مفلوج کر دیا تھا۔عوام اپنے نفع و ضرر سے غافل ہوگئے تھے— حضرت موسیٰ نے جب عوامی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا تو اسے ''فساد'' کہا گیا۔

وَقَالَ الۡمَلَاءُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُوۡنَ مُوۡسٰی وَقَوۡمَہٗ لِیُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ۔''

فرعون کے درباریوں نے کہا کہ موسیٰ اور ان کی قوم کو ''فساد'' کے لئے کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔

اصلاحات و تبدیلی ذہنیت و درس توحید کے صلہ میں حضرت موسیٰؑ کے قتل کی تدبیریں کی گئیں یہ نوبت آئی کہ حضرت موسیٰ کو وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔

حضرت عیسیٰؑ کی اصلاحات کا بھی سرکشی و تمرد و بغاوت اور سخت مخالفت سے مقابلہ کیا گیا۔

جب نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہونے لگا اور انبیاء کی وراثت کے امین جناب محمد بن عبداللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنائے گئے اور آپ کو خاتم الانبیاء کا لقب دیا گیا۔ اور آپ نے بت پرستی، اسلاف پرستی، اندھی تقلید، احمقانہ عقائد اور مضر رسوم وعادات کے خلاف آواز بلند کی تو ذرے ذرے نے مخالفت کی اپنے اور غیر سب دشمن ہو گئے۔ تحریک کو ختم کرنے اور حضرت کے قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں۔ مکہ سے ہجرت پر بھی مخالفت ختم نہیں ہوئی۔ نئے وطن میں زندگی گوارہ نہ ہوئی اور عظیم فوجی تنظیم ولشکر کشی سے تحریک اور تحریک کے بانی اور ہم نواؤں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کی انتہائی کوششیں کی گئیں۔ معاندین ومخالفین کو شکست ہوئی۔ ان کے حوصلے پست ہوئے۔ مرضی اللہ کی پوری ہوئی۔ عرب کے وحشی وغیر مہذّب معرفت خدا اور حقوق انسانی وجماعت کے صحیح مفاد سے واقف کئے گئے۔ رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد جب قومی وملی اخلاق سے دور ہونے لگے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ وفاطمہؑ اور امام حسنؑ نے اصلاح اخلاق ومعاشرت وتصحیح عقائد میں اپنے خدمات پیش کئے۔ اور مخالفتوں اور مصیبتوں کو صبر وثبات واستقلال سے انگیز کیا۔

۶۰ھ جب ختم ہوا اور ۶۱ھ آیا اور امام حسینؑ کے سامنے وہی سوال نہایت خوفناک صورت میں آیا جو حضرت نوحؑ وابراہیمؑ وموسیٰ

سامنے آیا تھا کہ اقتدار اعلیٰ ہی کو تقدیر انسانی کا مالکِ مطلق تسلیم کیا جائے۔ اسلام کا اساسی عقیدہ تھا ''زمین خدا کی ہے اور انسان خدا کی مخلوق ہے۔'' اور انسان صرف خدائی قانون کا محکوم ہوسکتا ہے لیکن اس نظام میں خدا کی جگہ بادشاہ کو دی جانے لگی اور بادشاہ کی مرضی کو قانون الٰہی سے برتر سمجھا گیا۔ اور حضرت کو مطلق العنان بادشاہ کی بیعت کے لئے مجبور کیا جانے لگا تو آپ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔ اس دنیا میں انبیاء ومرسلین اور اپنے اسلاف کرام کی خوبیوں کے آپ ہی وارث تھے آپ کی پلک کی ایک جھپک انبیاء ومرسلین کی ہزاروں لاکھوں سال کی انتھک خدمات کی تباہی کا باعث ہوجاتی۔ امام حسین ''وراثت وامانتِ صفات وفرائض کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ بیعت یزید کے مسئلہ کو آپ ایک مقامی وہنگامی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ انکار بیعت آپ کی نظر میں انبیاء ومرسلین کی ہزاروں سال کی جدوجہد کی تکمیل تھی۔ جس امانت الٰہی کے آپ پاسبان بنائے گئے تھے۔ وہ اس قدر گراں قدر تھی کہ اس کی حفاظت کے سلسلے میں آپ کو اپنی زیادہ سے زیادہ قربانی کم نظر آتی تھی۔ بعض مادی فکریں امام حسینؑ اور یزید کے تصادم کو اس سلسلۂ ہدایت وبغاوت کی کڑی نہیں سمجھتیں جس کا آغاز آدم وشیطان سے ہوا۔ اور نوح اور ان کی سرکش قوم اور ابراہیم ونمرود اور موسیٰ وفرعون کی صورت میں جس کے مظاہرے ہوتے رہے۔ اور محمد اور ابوجہل اور ابوسفیان کے پیکر میں جس نے تعمیر وتخریب اور اصلاح وفساد کی ایک وسیع تاریخ کی بنیاد رکھی۔

یہ لوگ اس معرکۂ ''حق وباطل'' کو دو خاندانوں کی جنگ کہہ دیتے ہیں.......... کہتے ہیں۔

''بنی امیہ اور بنی ہاشم میں عرصہ سے بدمزگی چلی آرہی تھی۔ ایک کی ترقی میں دوسرے کو اپنا زوال نظر آتا تھا۔ جب نبوت ورسالت کے شرف سے خدا نے بنی ہاشم کو سرفراز کیا تو بنی امیہ نے اسے اپنے وقار کے منافی سمجھا۔ یہی قبائلی

چشمک تھی جو ابوسفیان کو بار بار رسولؐ خدا کے خلاف فوج کشی پر ابھارتی تھی۔ فتح مکہ میں رسولؐ خدا کو عرب پر غلبہ حاصل ہوا اور بنی امیہ کا اثر و اقتدار ختم ہو گیا۔ وفات جناب رسولؐ کے بعد اموی ذہنیت کو ابھارنے کا موقع مل گیا۔ شام میں یزید بن ابی سفیان کو اور اس کے بعد معاویہ کی گورنری بادشاہت میں منتقل ہو گئی۔ معاویہ کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت حکومت پر آیا اور اس طویل عرصہ میں ہاشم کا اقتدار بالکل ختم ہو چکا تھا۔

امام حسینؑ ہاشمی نسل کی یادگار تھے۔ (اور یزید بنی امیہ کی نشانی تھا۔ حسین کو اموی بلندی پر رشک ہوا اور آپ نے اس جذبہ کے ماتحت (معاذ اللہ) بیعت کو اپنی کسر شان سمجھا۔ ''حسینؑ و یزید کی جنگ مذہبی نہ تھی۔ بلکہ ذاتی وخاندانی اقتدار کے لئے تھی'' جو لوگ جناب رسولؐ خدا کو سچا نبیؐ نہیں سمجھے ان کی نظر میں صرف حسینؑ و یزید ہی کا تصادم طلب جاہ اور بقاء اقتدار کے لئے نہ تھا بلکہ اسلام کی مکمل تاریخ ہی کو وہ اسی عینک سے دیکھتے ہیں اور جناب رسولؐ خدا کی پوری جدوجہد کو وہ (معاذ اللہ) ذاتی اقتدار کے لئے سعی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ غیر مسلم انصاف دوستوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو رسولؐ خدا کو نبیؐ نہ سمجھتے ہوئے بھی ایک مصلح اعظم اور اخلاقی معلم تسلیم کرتے ہیں اور حضرت سے اموی تصادم کو ایک ترقی پسند اور ایک رجعت پسند کا تصادم قرار دیتے ہیں۔

اسلام کو دین الٰہی تسلیم کرنے والوں کے لئے یہ تصور بھی ''الحاد'' ہے کہ جناب رسولؐ خدا اور بنی امیہ کے درمیان قبائلی رقابت معرکہ آرا رہی...... بنی امیہ کے ذہن قبائلی رجحانات سے ضرور آلودہ تھے مگر جناب رسولؐ خدا اور اہلبیتؑ طاہرین کے ذہن میں قبائلی آویزشوں کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔ جناب رسولؐ خدا کے سامنے بجائے قبیلہ کے کل انسان اور سارا عالم تھا۔ آپ عالمی مفاد کو نقطۂ نظر بنا کر سوچتے تھے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بنی ہاشم میں عرصہ سے کریم النفس بلند خصلت اور نیک فطرت انسان پیدا ہوتے رہے۔ اور بنی امیہ دوسرے قبائل کی طرح نیکی و بدی کو نہایت تنگ دائرہ میں مقید سمجھتے تھے۔ اس ہاشمی خصوصیت کا اعلان جناب رسولؐ خدا نے بار بار فرمایا:

اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ ثُمَّ جَعَلَھُمْ فِرْقَتَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ فِرْقَۃً ثُمَّ جَعَلَھُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ قَبِیْلَۃً، ثُمَّ جَعَلَھُمْ بُیُوتاً فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ بَیْتاً فَاَنَا خَیْرٌ۔

میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ خدا نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر قرار دیا۔ پھر اس مخلوق کے دو حصے کر دیئے۔ پھر انھیں قبائل میں تقسیم کر دیا۔ میرے قبیلہ کو سب سے بہتر قرار دیا۔ پھر انھیں گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے بہتر گھر میں رکھا۔

میں تم میں خاندان اور نفس کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں یہ الفاظ ہاشمی فضائل و مناقب کی بغیر کسی الہام کے ترجمانی کر رہے ہیں۔ اچھائی جہاں بھی ہو اُسے سراہنا چاہئے خواہ کسی اجنبی قوم یا نسل و خاندان میں ہو۔ ہاشمی ذہن عموماً امن و صلح و خیر طلبی کی طرف مائل تھا۔ اسلام کے پہلے بھی اس خاندان کی بلند نظری و صلح کوشی ضرب المثل تھی اور اسلام

کے بعد بھی اس کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں۔

ابوسفیان نے لوگوں کو رسولؐ خدا کے مقابلہ کے لئے بھڑکایا۔ اس چراغ کو گل کرنے کے لئے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی، مکہ سے ہجرت کے بعد بھی آپ کو سکون کی نیند سونے نہ دیا۔ مدینہ میں فوج کشی کی۔ آپ کے حقیقی چچا حضرت حمزہ کو شہید کیا اوران کے اعضاء جسم کو جدا کیا، سینہ سے جگر نکالا اس کو چبایا اور ہار بنایا۔ ان تمام وحشتوں کے باوجود مکہ کی فتح کے موقع پر جناب رسولؐ خدا نے ابوسفیان اور اس کے گھر سے کوئی انتقام نہیں لیا لیکن اموی حکومت اتنی پست تھی کہ نیکی سے متاثر نہ ہوتی اور بھلائی کا جواب بھلائی سے دینا نہ جانتی۔

حضرت علیؑ سے امیر معاویہ سے مقابلہ ہوا۔ معاویہ نے فرات پر قبضہ کرلیا۔ اور حضرت علی کی فوج پر پانی بند کردیا لیکن جب حضرت علیؑ کی فوج نے فرات پر قبضہ کرلیا تو معاویہ اوراس کی فوج کے لئے پانی سرمایۂ عام تھا............

امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی۔ لیکن حضرت کو اس صلح سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ صرف تاریخ کو حضرت کی امن کوشی کا ثبوت ضرور مہیّا ہوگیا۔ صلح نے میدانِ جنگ کو قتل گاہ نہ بننے دیا۔ مگر زہر کے ذریعہ سے امیر معاویہ نے امام حسنؑ کے قاتل کی حیثیت اختیار کرلی۔

بنی امیہ نہ صمیم قلب سے مسلمان ہوئے تھے اور نہ ان میں اکثر آخر نفس تک اسلام کے مخلص ہوئے۔ ان کا عہد اولین تو اس قدر سیاہ وتاریک ہے کہ اس پر پردہ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اسے ''حَسُنَ اِسْلَامُهٗ'' کہہ کر ہلکا کیا جاتا ہے......

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶، مطبوعہ مصر) لکھتے ہیں:

معاویہ اور ان کے والد فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ اور جنگ حنین میں موجود تھے۔ دونوں مولفۃ القلوب میں تھے۔ پھر بعد میں معاویہ کا اسلام اچھا ہوگیا۔

لیکن اگر تاریخی واقعات کا جائزہ لیا جائے تو آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ کبھی بھی اسلام کے مخلص نہ ہوئے۔ جنگ حنین میں ان کی پوزیشن کیا تھی......؟ مؤرخ ابوالفداء (ص ۱۴۶) کی صراحت میں اسے سمجھنا چاہئے۔

''جنگ حنین میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اہل مکہ اپنے اندرونی جذبات نہ چھپا سکے۔ دل کی بات منھ پر آگئی۔ ابوسفیان نے کہا۔ اب ان کا ضرار سمندر سے ادھر نہ رکے گا۔''

ظاہر ہے مسلمانوں کو شکست پر کوئی مسلمان ہرگز ہرگز طنز وتعریض نہیں کرسکتا۔ ابوسفیان جسمانی حیثیت سے ضرور مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن ان کا دل اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی ومخالفت سے بھرا ہوا تھا۔ یزید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بیٹا تھا۔ اس نے برملا اسلام کی نظم ونثر میں مخالفت کی۔ وحی والہام کو دروغ اور نبوت کو ایک کھیل کہا۔ ان حالات میں یزید وحسینؑ کے تصادم کو نسلی مخالفت کہنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

حقیقتاً یہ نظریاتی ٹکراؤ تھا۔ آدم وشیطان، ہابیل وقابیل، ابراہیم ونمرود، موسیٰ اور فرعون کی طرح حسین ویزید برسرِ پیکار تھے۔ خاندانی نزاع ہوتی تو کربلا میں حسین کے ساتھ صرف ''طالبی'' سورما شریک ہوتے لیکن لیکن شہداء کی فہرست میں مسلم بن عوسجہ، حبیب ابن مظاہر، زاہر بن عمرو

اسلمی، کندی بریر ابن خضر ہمدانی، نافع بن ہلال بجلی، حر بن یزید ریاحی، غلام ترکی، جون رومی غلام شریک تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ صرف عربی نژاد مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے خوش انجام مسلمان بھی شریک تھے۔

جن مسلمانوں کو دین الٰہی سے خلوص تھا اور جو عہد نبوت اور امامت کی معرفت رکھتے تھے وہ حسینؑ کے مقصد کو سمجھتے تھے اور ان کی زندگی وموت کو وہ ایک اعلیٰ مقام کے ماتحت پاتے تھے۔ انھیں انبیاء ومرسلین کے سرمایۂ ہدایت کا وارث سمجھتے تھے۔ اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ حسینؑ کی ذات رہنمایان ماسلف کی یادگار تھی۔ نابغہ جعدی عرب کا مشہور شاعر ہے............اس سے کون واقف نہیں۔ ایک بار اس کی نظر میں امام حسنؑ وحسینؑ پر پڑی۔ بے ساختہ اس کی زبان سے یہ جملے ٹپک پڑے:

هَذَانِ سِبْطَا مُحَمَّدٍ وَدَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَصَرِيْحَا اِسمَاعِيْلَ وَفَرْعَا قُرَيْشٍ وَشِبْلاً هَاشِمٍ وَسَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

''یہ دونوں حضرت محمدؐ کے نواسے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور اسماعیلؑ کی خالص نسل اور قریش کی شاخ اور ہاشم کے دوشیر اور جوانان جنت کے سردار ہیں۔

نابغۂ جعدی نے حضرت کو ''دعوت ابراہیم'' کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول میں ایسے واقف کار بھی تھے جو امام حسین علیہ السلام کی اصلی منزلت سے واقف تھے۔

حقیقتاً امام حسینؑ دین الٰہی کی ملکیت تھے اسلام کے ترجمان تھے۔ انبیاء کی متاع معرفت کے وارث تھے۔ اسی لئے جب ۶۰ھ میں یزید نے امام حسینؑ کو بیعت کے لئے مجبور کرنا چاہا تو حضرت نے مدینہ کے گورنر ولید کے دارالامارہ میں صاف صاف کہہ دیا۔

اِنَّ مِثْلِیْ لَا یُؤتِیْ بَیْعَتَهُ سِرّاً

(الحسن عمر ابوالنصر بیروتی)

میرا ایسا شخص چھپ چھپا کر بیعت نہیں کرتا۔ یعنی بحیثیت رہنمائے ملت کے شخصی طور پر آپ تنہائی میں کوئی معاہدہ نہیں کر سکتے۔ آپ کی بیعت شخصی اقرار وتسلیم نہ سمجھی جاتی بلکہ امت مسلمہ کے لئے مثال بن جاتی۔

اس لحاظ سے واقعۂ کربلا چند مہینوں اور چند دنوں اور چند گھنٹوں کی داستان ہے کہ سفر سے شروع ہوا ہے اور کربلا میں ۲ رمحرم سے ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے اور عاشور کے چند گھنٹوں میں آپ کے گروہ کے قتل اور یزید کی ظاہری فتح پر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقۃً یہ ایک طویل وعظیم تاریخ کا ایک آخری باب ہے۔ آدم وشیطان، ہابیل وقابیل اس تاریخ کے دیباچہ ہیں ایک لاکھ ایک کم چوبیس ہزار انبیاء اور بے شمار صلحاء وعرفاء ان کی قربانیاں اور باطل کا ان سے تصادم اس کے مختلف باب ہیں۔ اس کا مخصوص واہم وآخری باب ختم الانبیاء کی قربانی ہے اور اس کا خاتمہ واقعۂ کربلا ہے جو اپنے پس منظر اپنے طریق عمل اپنے سیاسی واخلاقی ومعاشرتی وروحانی ومادی نتائج کے لحاظ سے تاریخ عالم میں ایک پُرثروت وفکر انگیز وممتاز تاریخ ہے...... واقعۂ کربلا پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے جو ان وسیع حقائق کو اس کے پورے آب ورنگ کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہو۔

۞۞۞